© rasailojaraid.com

"عُرف" بحیثیت ماٰخذِ فقہِ اسلامی

جناب شفقت حسین خادم صاحب

جو طریقہ تمام لوگوں میں یا ایک فرقے میں مروّج ہو وہ "عرف" عادت یا رواج کہلاتا ہے۔ اقوامِ عالم کے نشوو ارتقاء کی تاریخ میں اور ان کی اجتماعی زندگی اور تمدّن کے تمام گوشوں میں رسم و رواج کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ اس بارے میں دو چیزیں سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ ایک مُلکی آب و ہوا اور دوسری قومی خصوصیات، قومی عادات اور رسم و رواج تقلید کے ذریعے ہی تمدّن و معاشرت کو قوموں میں نسلاً بعد نسل باقی رکھتی ہے۔ رسم و رواج کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ جو عملی زندگی اور حقوقِ انسانی سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور بعض وہ جو اخلاق و آداب سے تعلق رکھتے ہیں بعض وہ جو لباس اور طرزِ زندگی کو ممتاز کرتے ہیں۔ اور بعض وہ جن کا مطلب سوائے تسلی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

رسم و رواج بھی دیگر معاشرتی حالات کی طرح ملک و زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں چنانچہ ہر زمانے اور ہر جگہ رسم و رواج کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ارتقائے قومی کے اوائل میں رسم و رواج ہی کے ذریعے معاشرے کی مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں اور یہی رسم و رواج مذہب، اخلاق اور معاملاتِ دنیاوی کی بنیاد تھے۔ جب عدالتیں قائم ہوگئیں اور قوانین کی تدوین مکمل ہو چکی تو رسم و رواج کی اہمیت بتدریج کم ہوتی گئی حتیٰ کہ دورِ حاضر کے معاشرے میں ان کا حصہ بہت ہی کم نظر آتا ہے۔

رومی قوانین کی تاریخ میں قانون کا اصل ماخذ رسم و رواج ہی تھا۔ سب سے پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسم و رواج کو بارہ تختیوں (الواح اثنا عشرہ) پہ لکھا گیا اور "یوسٹنیانوس" کے عہد تک وہی قانون جاری رہا۔ اس کا مقولہ تھا کہ قانون غیر مدوّن رسوم و عادات سے ماخوذ ہے۔ جس پر رواج عام پسندیدگی کی مہر ثبت کر دیتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اقوام عالم کے قوانین کی تاریخ میں رسم و رواج کا بڑا حصّہ ہے، اگرچہ پہلے کی نسبت دورِ جدید کے قانون میں رسم و رواج کی اہمیت بہت کم ہے۔ پھر بھی قوانین جدیدہ میں انہیں کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جو رسم و رواج قوانین کی تدوین سے پہلے دستور العمل تھے۔ جدید قوانین بھی دراصل انہی کا نقشِ ثانی ہیں اور اسی ترمیم کی مختلف صورتیں ہیں جو رسم و رواج میں اب تک ہوتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا یہاں تک کہ ماضی و حال اور حال و مستقبل کو ایک ہی شیرازے میں منسلک کر دے گا۔

قبل از اسلام دیرینہ روایات و رسوم ہی معاشرتِ عرب کی بنیاد تھے، لیکن یہ جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ آیا انہوں نے ان رسوم و رواجات کو مدوّن بھی کیا تھا یا نہیں؟ پھر جب اسلام ظاہر ہوا تو قرآن و سنّت ہی پر قانون سازی کی بنا رکھی گئی اور رسوم کی اہمیت پہلے کی نسبت کم ہو گئی۔ بہر صورت علمائے اصول کے نزدیک رسم و رواج کسی دلیل شرعی کی حیثیت تو نہیں رکھتے تاہم مختلف راستوں سے اسلامی قانون سازی میں داخل ضرور ہو گئے۔ مثلاً:

۱۔ بعض نصوص خصوصاً بعض احادیث رواج پر مبنی ہیں جیسے گیہوں اور جَو کہ یہ دونوں اناج پہلے ناپ پر فروخت کیے جاتے تھے اور یہ ایک قدرتی امر ہے کہ جب احکام عرفِ عام پر مبنی ہوں تو وہ اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار سے بھی عرفِ عام کے تابع رہتے ہیں جیسا کہ مسائلِ دیت (خون بہا) و قسامت (قسم لینا) ہیں۔

۲۔ سنّتِ تقریری نے عربوں کے بہت سے رواجات کو برقرار رکھا ہے، یعنی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعض پسندیدہ عادات پر اپنی خاموشی کے ذریعے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا چنانچہ وہ رسوم و عادات مسنون رواجات کا جزو بن گئی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳ — جیسا کہ مشہور ہے امام دار الہجرت حضرت امام مالکؒ بن انس نے نصِ صریح نہ ہونے کی صورت میں تعامل اہل مدینہ کو اجماع اور دلیل شرعی شمار کیا ہے۔ اہل مدینہ کا توارث العمل وہی پرانے اور نئے رواجات تھے جو اس تجارتی شہر کے لوگوں میں مروج تھے۔

۴ — اقتضائے ضرورت کے پیشِ نظر جب نئے رسم و رواج پورے ہو گئے یا جب عرب اپنی فتوحات کے دوران میں ان روایات سے روشناس ہوئے جن سے پہلے واقف نہ تھے اور قرآن و حدیث کا کوئی حکم بھی ان کے خلاف نہ پاتے تھے تو انہیں اختیار کر لیتے تھے۔ پھر وہی رواجات یا تو اجماع مجتہدین کے ذریعے یا دوسرے دلائل شرعی مثلاً استحسان اور استصلاح کے ذریعے اسلامی قانون میں داخل ہو گئے۔ ان کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے (ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ "استحسان" ترجمان القرآن مئی - جون ۱۹۸۳ء)

عرف کی تعریف

سید شریف جرجانی نے عرف کی یہ تعریف کی ہے "وہ عمل یا عقیدہ جسے لوگ عقل و تمدنی تجربہ کی بنیاد پر تواتر کے ساتھ کرتے ہوں اور ان کا فطری طور پر "حق" ہونا ان کے نزدیک مسلّم ہو۔ لہٰذا یہ اصطلاح کم و بیش رواج کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کے مقابل اصطلاح "قانونِ مقرّرہ" یعنی شرع ہے" (کتاب التعریفات ص ۵۴)

امام غزالیؒ نے "المستصفیٰ" میں لکھا ہے "جو بات عقل کے اعتبار سے ذہن میں راسخ ہو اور طبائع سلیمہ کے ہاں قابلِ قبول ہو اسے عرف اور عادت کہتے ہیں" صاحب شرح التحریر قم طراز ہیں "عادت نام ہے کسی کام کے عقلی رابطہ کے بغیر بار بار کیے جانے کا"۔ امام زین العابدینؒ نے رسالۃ العرف میں لکھا ہے "عادت کا لفظ معاودت سے ماخوذ ہے تکرار و اعادہ کی وجہ سے ایک بات نفوس و عقل میں راسخ ہو جاتی ہے اور کسی تعلق اور قرینے کے بغیر عام طور سے قبول کی جاتی ہے اور اس طرح وہ حقیقتِ عرفیہ بن جاتی ہے۔ مصداق کے اعتبار سے عادت اور عرف ایک ہی چیز ہے اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی قوم کا عرف اور عادت فقہائے شریعت کی نظر میں ایک ہی معنی رکھتے ہیں یا کم از کم ان دونوں کا نتیجہ ایک ہے۔ اگرچہ مفہوم لفظ کے اعتبار سے دونوں مختلف ہیں"

ابن نجیمؒ نے ہندی سے روایت کرتے ہوئے شرح "مغنی" میں عرف کی یہ تعریف کی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"عبارۃ عما یستقر فی النفوس من الامور المتکررۃ المقبولۃ عند الطبائع السلیمۃ" (یعنی رواج سے مراد روزمرہ کے وہ معاملات ہیں جو ذوقِ سلیم کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور دل میں گھر کر جائیں (الاشباہ والنظائر ص ۳۷)۔ خواہ وہ معاملات عام ہوں اور تمام ملکوں کے باشندوں کا دستور العمل ہوں یا خاص ہوں اور کسی خاص ملک یا کسی خاص فرقے کا دستور العمل ہوں، دونوں قسم کے رواجات شرع اسلامی میں معتبر ہیں۔

عُرف اور فقہائے احناف

سہیل بن مزاحم فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہؒ کا کلام قابلِ اعتماد چیز کو اخذ کرنے، قبیح سے دور رہنے اور لوگوں کے معاملات میں غور و فکر کرنے سے عبارت ہے۔ جب تک لوگوں کے معاملات قیاس سے کام لینے میں درست رہتے، آپ سب امور اس کے مطابق رکھتے تھے۔ جب قیاس میں کوئی قباحت دیکھتے تو معاملات کو استحسان کے مطابق حل کرتے جب تک کہ استحسان کام دیتا رہتا۔ جب اس کا بھی امکان نہ ہوتا تو لوگوں کے تعامل کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے" اس تعریف سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ پہلی یہ کہ جب نص نہ ہوتی تو آپ لوگوں کے امور کو قیاس اور استحسان کی روشنی میں حل کرتے نیز یہ کہ ان دو میں سے جو زیادہ امن و سلامتی پر مبنی حالات کے زیادہ موافق اور شرعی مقاصد سے زیادہ قریب ہوتا اُسے اخذ کرتے۔

دوسری یہ کہ جب کسی مسئلے میں قیاس و استحسان سے کام نہ چلتا تو لوگوں کے تعامل کو دیکھتے۔ تعامل سے مراد وہ عرف ہے جو لوگوں میں عام طور سے جاری ہو۔ آپ عرف پر اُس وقت عمل کرتے جب کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت سے کوئی دلیل موجود نہ ہوتی نہ قیاس و استحسان پہ محمول کرنے کا کوئی امکان ہوتا یا وہ استحسانِ حدیث ہو یا استحسانِ قیاس، استحسانِ اجماع ہو یا استحسانِ ضرورت، ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو سکتی تو عُرف پر عمل کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کے مجتہدینِ مذہب اور مخرّجین سے بھی ایسی روایات منقول ہیں مثلاً علامہ ابیری کی شرح الاشباہ والنظائر میں ہے "عرف سے جو بات ثابت ہو وہ شرعی دلیل سے ثابت متصور ہو گی"۔ اسی طرح امام السرخسیؒ کی "المبسوط" کی عبارت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جو مسئلہ عرف سے ثابت ہو وہ گویا نص سے ثابت ہے"۔ اس کا بھی غالباً مطلب یہی ہے کہ بات عرف سے ثابت شدہ ہے وہ دلیل سے ثابت ہے کیونکہ نص کی عدم موجودگی کی صورت میں عرف بھی نص کی طرح قابل اعتماد ہے۔

عرف کے دلیل شرعی ہونے کا ثبوت عرف کے شرعی دلیل ہونے کا ثبوت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ملتا ہے، فرماتے ہیں "ما رأہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن"۔ "جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھتے ہوں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہے"۔ (ملاحظہ ہو مسند امام احمد جلد پنجم صفحہ ۲۱۱ طبع المعارف مصر)

اس قول کی عبارت اور مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے عرف عام میں جس چیز کو امور حسنہ میں سے خیال کیا جاتا ہو بلاشبہ وہ حسن ہے اور عرفِ عام کی مخالفت کرنے میں حرج اور دشواری پائی جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (الحج)

سو علماء جب یہ کہتے ہیں کہ عرف اصولِ استنباط میں سے ایک اصول ہے تو اس سے اُن کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جہاں کتاب و سنت کی کوئی دلیل نہ ہو وہاں عرف پر عمل کیا جاتا ہے جب عرف عام خدانخواستہ کتاب و سنت کے خلاف ہو جیسے بعض اوقات لوگوں میں سُود خوری و بے حیائی کا چرچا ہو جاتا ہے اور اسی طرح کے دیگر محرّمات عام طور سے رائج ہو جاتے ہیں تو ایسا عرف مردود ہے کیونکہ اُسے معتبر سمجھنے سے ترکِ نص لازم آتا ہے۔

عرفِ عام آثار (قول و فعلِ صحابی) کے مقابلے میں بھی نہیں ٹھہر سکتا تاہم یہ اختلافی امر ہے کہ آیا عرفِ عام قیاس کا مقابلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ابنِ عابدین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں "اگر دلیل (نص کا حکم) عام ہو اور اس کے بعض افراد میں عرف اس کے خلاف ہو یا دلیل قیاس ہو تو عُرف کا اعتبار کیا جائے گا بشرطیکہ وہ عرف عام ہو کیونکہ عرف عام مخصص ہو سکتا ہے اور اس سے قیاس کو ترک کیا جا سکتا ہے جیسا کہ مسئلہ استصناع (آرڈر دے کر چیزیں بنوانا) یا حمام میں داخل ہونے کے مسئلے یا مشک سے پانی پینے کے مسئلے میں فقہاء نے صراحت کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے ظاہر ہے کہ عرف اگر عام ہو اور من کل الوجوہ نص کے خلاف نہ ہو تو وہ معتبر ہوگا (یعنی نص اس سے مخصوص ہو سکے گی) پھر قیاس کو بدرجہ اولیٰ اس کے مقابلے میں ترک کر دیا جائے گا۔ کیونکہ قیاس اس صورت میں مذموم ہوگا بلکہ فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ لوگوں کا تعامل اگر عمومی حیثیت رکھتا ہو تو اس سے نص عام کی تخصیص کی جا سکتی ہے مثلاً حدیث میں نہی وارد ہوئی ہے کہ جو چیز اپنے پاس موجود نہ ہو اس کو فروخت کرنا منع ہے مگر قدیم زمانے سے لوگ صناعت بیشتر لوگوں سے معاملہ کرتے چلے آئے ہیں۔ پس یہ تعامل نص کا مخصص ہوگا اور نہی دوسرے مقامات پر معمول کی جائے گی اسی قبیل سے یہ مسئلہ ہے کہ مشروط بیع کو حدیث میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے صاحبین فرماتے ہیں کہ جس شرط میں بائع یا مشتری میں سے ایک کو فائدہ پہنچتا ہو اُسے عقدِ بیع میں ضروری قرار دیا جائے تو بیع فاسد ہو جاتی ہے مگر جب بیع کا معاملہ شرط کا متقاضی ہو تو وہ درست ہے جیسے بیع سے قبل قیمت ادا کر دینا یا جب بیع کا مقصد پختہ اور مؤکد ہو جاتا ہو جیسے مہر میں کسی کو ضامن بنانے کی شرط، یا اس شرط کے بارے میں کوئی نص وارد ہوئی ہو جیسے کہ قیمت کو مؤجل کرنے کی شرط۔ یا پھر وہ شرط عرفِ عام میں رائج ہو، ان تمام صورتوں میں وہ شرط درست تصور کی جائے گی اور اس سے بیع فاسد ہوگی۔ یہاں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین نے عرفِ عام کو نہی کا مخصص قرار دیا ہے جیسے آثار سے تخصیص ہو سکتی ہے۔ امام زفرؒ اس کے خلاف ہیں اور عرفِ عام میں پائی جانے والی شرط کو بیع کی مجوز تسلیم نہیں کرتے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام زفرؒ اپنے ائمہ ثلاثہ کی طرح عرف کو عمومِ نص کا مخصص نہیں مانتے۔

ثبوتِ عرف کے لیے دوسری دلیل بخاری سے روایت ہے کہ قاضی شریح نے حضرت عمرؓ کے عہد میں سوت کاتنے والوں سے فرمایا "سنتکم بینکم" یعنی تمہارا دستور و رواج تم میں باقی رکھا جائے گا۔ (بخاری مع شرح عینی جلد ۱۲ صفحہ ۱۶)

شرائطِ عرف:۔ عرف کو معیارِ شرعی قرار دینے کے لیے چند شرائط ضروری ہیں:

۱۔ جیسا کہ عرف کی تعریف میں بھی بتایا گیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ عرف طبائع سلیمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نزدیک پسندیدہ ہو یعنی وہ قرینِ عقل ہو اور ذوقِ سلیم یا رائے عامہ اس کی تائید کرتی ہو۔

۲ ۔۔ عرف عام ہو اور دائر و سائر نہ ہو۔ ابن نجیمؒ نے کتاب الاشباہ والنظائر ص ۳۷ پر مذکور ہے " انما تعتبر العادۃ اذا اضطردت او غلبت " (یعنی وہی رواج معتبر ہوگا جو مسلسل دستور العمل رہا ہو اور عام ہو چکا ہو) مثلاً جب خرید و فروخت میں کسی چیز کی قیمت مقرر نہ کی جائے تو اس چیز کی وہی قیمت ادا کرنی پڑے گی جو ملک کے عام مروجہ سکے کے مطابق ہو اور اس کے سوا کوئی خاص قیمت، واجب الادا نہ ہوگی ۔[1]

[1] ہدایہ جلد سوم صفحہ ۱۰۸

۳ ۔۔ وہ عرف جو پہلے سے معتبر چلا آتا ہو یا معاملات کے وقت موجود ہو معتبر سمجھا جائے گا اور وہ عرف معتبر نہ ہوگا جو عرف کے بعد جاری ہو۔ چنانچہ اگر کسی چیز کی قیمت درہم یا دینار میں مقرر ہو ایسے شہر میں جہاں مختلف سکے رائج ہوں تو قیمت انہی سکوں میں واجب الادا ہوگی جو بیع کے وقت سب سے زیادہ رائج ہوں نہ کہ وہ سکے جن کا رواج بیع کے بعد ہو۔

۴ ۔۔ اگر فریقین میں سے کوئی ایسی شرط مقرر کر دے جو عرف کے خلاف ہو تو عرف معتبر نہ ہوگا کیونکہ عرف ایک ضمنی شرط ہے اس لیے وہ صریح شرط کے موجود ہوتے ہوئے معتبر نہ ہوگا۔

۵ ۔۔ " مجامع " میں مذکور ہے " العرف انما یکون حجۃ اذا لم یخالف نص الفقہاء " (یعنی عام عرف اس وقت حجت بن سکتا ہے جب وہ فقہا کے صریح حکم کے خلاف نہ ہو) اس قاعدے کی بنا پر مذہب مختار یہ ہے کہ عرف اس وقت معتبر نہ ہوگا جب کہ اس کے خلاف نصِ شرعی موجود ہو کیونکہ نصِ شرعی عرف سے زیادہ قوی دلیل ہے لیکن جب نصِ شرعی عرفِ عام پر مبنی ہو تو ابو یوسفؒ کے نزدیک عرفِ عام ہی معتبر ہوگا

بہر حال جو عرف ہمارے پیشِ نظر ہے اور جو شرع اسلامی میں خارجی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے اس سے مراد ہی رواج ہے جو اصولی ہو اور معتبر دلیلِ شرعی کے موافق ہو لیکن جو عرف دلیلِ شرعی کے خلاف ہو یا شریعت اسلامی کی روح، اس کی مصلحت اور اس کے صریح احکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خلاف ہو وہ قابلِ قبول نہیں اور اس سے شریعتِ محمدی کا کوئی واسطہ نہیں۔

عُرف کے قواعدِ کلیہ

کتبِ فقہ میں عرف کو ضابطہ شرعی قرار دینے کے بارے میں دیگر قواعد کلیہ بھی موجود ہیں جن کو "مجلّہ" میں منضبط اور فصیح و بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱- "استعمال الناس حجة يجب العمل بها" (لوگوں کا دستور حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے)۔

۲- "المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً" (یعنی جس طرح مشروط میں شرائط کی پابندی ناگزیر ہوتی ہے اسی طرح دستور میں عرفِ عام کی پابندی ضروری ہے)۔

۳- "المعروف بين التجار كالمشروط بينهم" (یعنی تاجروں کے درمیان دستورِ عام کی وہی حیثیت حاصل ہے جو ان کے عہد و پیمان کو حاصل ہے)۔

۴- "المتعين بالمعروف كالمتعين بالنص" (یعنی عرفِ عام کا فیصلہ نص کے فیصلے کے مانند ہے)۔

عرف کی اقسام (عام و خاص)۔ عرفِ عام سے مراد وہ عرف ہے جو جملہ بلاد و امصار میں رائج ہو اس کے مقابل عرفِ خاص ہے یعنی ایک شہر کا عرف یا ایک قوم کا عُرف مثلاً تجار کا عرف یا فلاحوں کا عرف، وہ عرف جو امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے یہاں حجت ہے اور جس کے متعلق آپ کے بعد مخرجین فی المذہب کہا کرتے تھے کہ لوگوں کا عرف و تعامل حجت ہے جس سے قیاس کو ترک کیا جا سکتا ہے اور اس سے آثار کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔ اس سے مراد عرفِ عام ہے جب کہ عرفِ خاص مطلقاً نص کا مقابلہ نہیں کر سکتا خواہ نص خاص ہو یا عام۔ البتہ عرفِ خاص اس قیاس کے راستے میں ضرور حائل ہو جاتا ہے جس کی علت قطعی نہ ہو یا جو قیاس وضاحت کے اعتبار سے نص کا مشابہ ہو۔ عرفِ خاص صرف اسی شہر پر چسپاں ہوگا جس کا وہ عرف ہو اور دوسرے شہروں پر لاگو نہ ہوگا۔

"انٹرنیشنل یا عالمی عُرف" ایسے تمام صالح اعراف و عادات اور دنیا کے مروجہ وضعی قوانین جن کی صالحیت پر ساری دنیا کے سنجیدہ طبقہ کا اتفاق ہے اور ان سے کسی صریح اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکم یا روح شریعت کی خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو۔ ان کے بارے میں اسلامی قانون ساز شخص یا
یا اداروں کا رویہ ہمیشہ ہمدردانہ رہا ہے اور آئندہ بھی ان کے بارے میں ترک ورد
کے بجائے اخذ و قبول ہی کی روش اختیار کی جانی چاہیے۔

اسلامی قانون مروجہ قوانین کے تمام ایسے عناصر کو اپنے دامن میں جگہ دے گا جن سے
کسی بھی انسانی طبقے کی نہ تو حق تلفی ہوتی ہو اور نہ ان سے کوئی صریح اسلامی حد ٹوٹتی
ہو مثلاً جمہوری ممالک میں جو قانونِ اُجرت (WAGES ACT) نافذ ہے۔
جیسا کہ خود پاکستان میں (PAYMENT OF WAGES ACT 1936) نافذ
ہے۔ اس قانون کو مسلم اور غیر مسلم تمام ہی ممالک تسلیم کر چکے ہیں اگر اس میں چند اصلاحات
کر دی جائیں تو اس کو بڑی آسانی سے اسلامی قانونِ اُجرت بنایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح
جمہوری ممالک کے قانونِ تجارت (MERCANTILE LAW) یا نظام بنکاری
(BANKING SYSTEM) کا معاملہ ہے۔ اب بنکاری کا نظام سُودی ہے جہاں
تک بنکنگ کے مقصد، نقطہ نظر اور اسپرٹ کا تعلق ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں
ہو سکتا۔ لیکن اس نظام کو چلانے والوں کے ذہن میں چونکہ پائیدار اخلاقی اقدار اور حلّت و
حرمت کا کوئی تصور موجود نہیں اس لیے وہ سُود کو ظلم و زیادتی یا عدل و انصاف کے خلاف
نہیں سمجھتے۔ اب اگر یہ نظام ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائے جو سُود کو حرام سمجھتے ہوں تو بلاشبہ
وہ سود کو مضاربت اور شراکت سے بدل کر اس لعنت سے دنیا کو نجات دلا سکیں گے (اس
عنوان کے تفصیلی مطالعہ کی غرض سے طلباء سید مودودیؒ کی کتاب "سُود" اور ڈاکٹر محمد نجات اللہ
صدیقی صاحب کے لٹریچر کا خصوصی مطالعہ کریں) جہاں تک وضعی قوانین (STATUTE LAWS)
کا تعلق ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ عام وضعی قوانین کا منتہائے نظر مادی خوش حالی و فلاح ہے
جب اسلامی قوانین کے نزدیک وہ مادی خوشحالی مطلوب ہے جو اخلاق کا پابند ہو، لیکن
یہاں ہماری گفتگو کا موضوع قانون کا ظاہری ڈھانچہ ہے نہ کہ نقطہ نظر اور اسپرٹ، اور پھر
خالص مادی معاملات و مسائل میں مادی قوانین کے نقطہ نظر اور اسپرٹ اور اسلامی قوانین کے
نقطہ نظر اور اسپرٹ میں اشتراک نہ سہی۔ کم از کم ظاہری مماثلت ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی مادی معاملات میں دونوں قوانین کی اسپرٹ یہ ہوتی ہے کہ معاشرے میں عدل و انصاف قائم ہو، ظلم و تعدّی اور عدم مساوات نہ ہو، اس لیے اُن کو ہر صورت میں شجرِ ممنوعہ اور غیر اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ عالمِ عرب کے ممتاز ماہرِ اُصولِ قانونِ اسلامی جناب استاد احمد فہمی ابوسنہ رقمطراز ہیں:-

"اسلامی شریعت کی فطرت و طبیعت یہ نہیں کہ وہ عرفِ صالح کو منسوخ قرار دے اور عادلانہ قوانین پر خطِ نسخ کھینچ دے اور اچھے عمرانی اُصولوں سے اباکرے بلکہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جن چیزوں میں بھی کچھ بہتر فوائد و مصالح پوشیدہ ہوتے ہیں ان کو وہ باقی رکھتی ہے اور اُسی کے مطابق وہ لوگوں کے معاملات کی تدبیر کرتی ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ وہ کسی عرف و عادت کو اس لیے باقی نہیں رکھتی کہ وہ عادت بن چکی ہے، بلکہ اس کے باقی رکھنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دینی نقطۂ نظر سے اس میں بندوں کے بہت سے دُنیوی اور اُخروی مصالح اور فوائد پوشیدہ ہوتے ہیں اور جب شارع نے خود عرف کا لحاظ کیا ہے تو انہوں نے دوسروں کے لیے بھی اس کو ملحوظ رکھنے کا قانون بنا دیا ہے۔" (ملاحظہ ہو امام ابوحنیفہؒ از ابوزہرہ صفحہ ۵۵۳)۔

"عرف بحیثیتِ ماخذ فقہ اسلامی" کے مقالہ کے ساتھ ہی ہماری "ماخذِ فقہ" کی بحث ختم ہوئی جس کا ماحصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مستقل ماخذِ قانون ہیں ماسوا ان دو کے اجماع اور قیاس آئمہ اربعہ کے نزدیک مسلّم ماخذ ہیں، مصالح مرسلہ مالکیہ کے ہاں زیادہ مستعمل اور استحسان احناف کے ہاں قابلِ قبول ہوا جب کہ عرف کو ائمہ اربعہ کے نزدیک سندِ قبولیت حاصل رہی ہے۔ جدید مقننین میں سے تاریخی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد بالخصوص (VOLKGEIST) کے نزدیک معاشرے کے افراد کا متفقہ اور مسلّمہ طرزِ عمل (عرف) قانونِ جدید کا اصل ماخذ ہے اسلامی قانون کے ماخذ کی حیثیت سے بھی عرف کا مقام اُصولیئن (SURIST) کے نزدیک مسلّم ہے۔

© rasailojaraid.com